Taṣdīq
Vol 6 No 2, 2024

Article

Wisdom And Cultural Relics from Pre-Christ Era In The Novel “Dil Mun”

ناول ”دِل مُن“میں زمانہ قبلِ مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار

Muhammad Adnan Iqbal[1], Dr. Tariq Hashmi[2]
PhD Scholar, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
Associate Professor, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
Correspondence: tariqhashmi70@gmail.com

محمد عدنان اقبال[1]، ڈاکٹر طارق ہاشمی[2]

[1] پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

DOI:https://doi.org/10.56276/zxfj2665

Received:16-09-2024
Accepted:24-09-2024
Online:30-09-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the authors.

ABSTRACT
Yaqoob Yawer is a renowned contemporary novelist, translator and a literary figure. Novel “Dil Mun” is his representative work. This novel is about Pre-Christ era Sindhi Intellectual tradition and cultural remnants from that period of time. He has fictionalized the wisdom and the cultural tradition saturating the historical cities, i.e., Mohenjo Darro and Harappa, that were alive beside the banks of Sindh and contributory rivers. Furthermore, some aspects of Sumerian culture are also present in this fictional piece. In this essay, the diverse facets of the wisdom and the cultural tradition, emanating from Dilmun, Hari Yupia and other cities of Sindh in pre-Christ era, have been brought to light.

KEYWORDS: Dil Mun, Novel, Yaqoob Yawer, Sindh, Wisdom, Pre-Christ Era, Culture

ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں وادیِ سندھ کی تہذیب کا شمار قبل مسیح کی قدیم تہذیبوں میں ہوتا ہے جو کانسی کے دور کی اہم ترین تہذیب تھی۔ یہ تہذیب کم و بیش چار ہزار قبل مسیح قدیم ہے۔ یہ تہذیب بھی میسوپوٹیمیا اور مصری تہذیب جتنی

ہی پرانی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے نمایاں شہروں میں موہن جوداڑو اور ہڑپہ شامل ہیں جو اپنے عہد کے ترقی یافتہ اور متمدن شہر تھے۔ یہ شہر اپنے فنِ تعمیر، انتظامی امور، نکاسی اور آب پاشی کے جدید نظام اور فنونِ لطیفہ کی ترقی کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ تاہم بعد میں یہ زوال پذیر ہو کر ماضی کی تاریخ کا حصہ بن گئے۔ بیسویں صدی عیسوی کی اہم ترین دریافتوں میں سے ایک اہم دریافت وادیِ سندھ میں تمدن کی تلاش ہے۔ اس تہذیب کا مرکز دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا ہیں۔

وادیِ سندھ کی قدیم تہذیب پر اب تک کئی تصانیف قلمبند کی جاچکی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تصنیف یعقوب یاور کا ناول ”دِل مُن“ ہے۔ یعقوب یاور عہدِ حاضر کی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ان کا شمار عصرِ حاضر کے کامیاب ناول نویسوں اور مترجمین میں ہوتا ہے۔ ”دل مُن“ ان کا پہلا ناول ہے جو پہلی بار ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس ناول میں انھوں نے قبل مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار کو بڑی چابکدستی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ناول ”دِل مُن“ کا آغاز ایک ایسی کہانی سے ہوتا ہے جس میں مرکزی نسوانی کردار دیوانئی کو قتل کے جرم میں دِل مُن شہر سے باہر پھینکا جاتا ہے۔ وہ ایک سنیاسی مہرشی کے پاس عارضی طور پر ٹھہرتی ہے اور اس کے بعد دِل مُن شہر کے حاکم سے بچنے کے لیے گملا نگر نامی شہر چلی جاتی ہے جو دریائے گومل کے کنارے پر آباد ہے۔ گملا نگر کا حاکم کوشک نار اس کا استقبال گرم جوشی سے کرتا ہے۔ تاہم بعد میں دیوانئی کے ہاں سُرال نامی بیٹے کے پیدا ہونے کے بعد دِل مُن کے حاکم کشال کے ساتھ مل کر وہ دیوانئی اور اس کے بیٹے سُرال کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ مہرشی کے کہنے پر دیوانئی اپنے بیٹے سُرال کے ہمراہ دریائے چناب اور جہلم کے سنگم پر واقع ایک چھوٹی سی بستی منڈو چلی جاتی ہے۔ کچھ عرصے بعد مہرشی اور دیوانئی، سُرال کو ہریوپیکا آچاریہ آڈوی نامی مدرس کے پاس گیان کے حصول کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ سُرال ہریوپیکا میں گیان کے ساتھ ساتھ جنگی تربیت بھی حاصل کرتا ہے۔ اسی اثنا میں گملا نگر کے حاکم کوشک نار کو اپنی بیٹی تارکی کے لیے رشتے کی فکر ہونے لگتی ہے تو وہ سُرال کا انتخاب کرتا ہے اور دیوانئی اور مہرشی کو واپس گملا نگر آنے کی درخواست کرتا ہے جو دونوں قبول کرلیتے ہیں۔ دوسری طرف ہریوپیکا میں دِل مُن کے سفیر جب سُرال کا کھوج نکال کر دِل مُن کے حاکم کشال کو اطلاع دیتے ہیں تو وہ چند جاسوس فوجی ہریوپیکا بھیجتا ہے جن کو قتل کر کے سُرال دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے کنارے آباد بستی لارسا چلا جاتا ہے اور سمیریا میں سمیری فوج کا سربراہ بنا دیا جاتا ہے۔ سمیری فوج کی قیادت کرتے ہوئے وہ اکدی قوم کو مغلوب بنالیتا ہے۔ اس کی جنگی مہارت اور فتوحات کے قصے جب وادیِ سندھ میں اس کی والدہ دیوانئی کے پاس تاجروں کے ذریعے پہنچتے ہیں تو دیوانئی اسے گملا نگر بلالیتی ہے اور اسے دِل مُن کے حاکم کشال کا قتل کر کے دل من پر قبضہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ سُرال سومیری اسلحے اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ کشال کو قتل کر کے دِل مُن کا حاکم بن جاتا ہے اور گملا نگر کی شہزادی تارکی اور دِل مُن کی شہزادی کیتی دونوں سے شادی کرلیتا ہے۔ تاہم بعد میں جب

کیتی کو حقائق کا علم ہوتا ہے تو وہ سُر ال کی والدہ دیوانئ کے خلاف قتل کا الزام لگاتی ہے اور اپنے خاص منصفوں کے ذریعے اسے شہر کے باہر پھینکنے کی سزا دلواتی ہے۔ دیوانئ کو ناکردہ گناہ کی سزا ملنے پر دیوتا غصے میں آجاتے ہیں اور اس دھرتی پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ مسلسل طوفانی بارشوں اور دریائے سندھ میں اونچے درجے کے سیلاب آنے کی وجہ سے دِل مُن شہر ڈوب کر تباہ ہو جاتا ہے اور اس کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ ناول کا اختتام دِل مُن کی بربادی اور شکستگی پر منتج ہوتا ہے۔

یہ ناول بنیادی طور پر قبل مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار کے تناظر میں لکھا گیا ہے، جس کو نیم تاریخی ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔ یعقوب یاور کا ماننا ہے کہ وادیِ سندھ کے قدیم ترین شہر جس کو موہن جو داڑو کہا جاتا ہے، کا اصل نام موہن جو داڑو کے بجائے دِل مُن ہو سکتا ہے۔ اس کا ذکر وہ دیباچے میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ”موہن جو داڑو (بمعنی مردوں کا ٹیلا) کا جدید نام مورخین نے اپنی سہولت کے لیے رکھا ہے۔ یہ اس شہر کا اصل نام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کریمر کے دلائل کی روشنی میں اس ناول میں موہن جو داڑو کا قدیم نام ”دِل مُن“ تصور کیا گیا ہے۔“(۱)

یعقوب یاور کا مذکورہ ناول کل سولہ ابواب پر مشتمل ہے جس میں قبل مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار کے مختلف پہلوؤں کو بہ طور خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ اس زمانے میں وادیِ سندھ کے مختلف شہروں بالخصوص دِل مُن میں مرد کو ہر حوالے سے بالادستی حاصل تھی اور اس قدیم سماج میں عورت ذات کو جانوروں سے بھی کم حیثیت دی جاتی تھی۔ عورت کو محض جنسی تسکین اور مَردوں کی عیاشی کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ شہر کا حاکم اور اس کے خاص لوگ خوبصورت لڑکیوں کا زبردستی جنسی استحصال کرتے اور ان خواتین کی آبروریزی کو مَردوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کی مجبوری اور ثانوی حیثیت کا ذکر ناول میں یوں کیا گیا ہے:

> ”دِل مُن میں عورتوں کا حال ویسے ہی دگرگوں تھا۔ ان کی تہذیبی روایت میں اس کی حیثیت ذریعہ تفریح سے زیادہ نہ تھی۔ دیوتاؤں کو خوش کرنا ہو یا انسانوں کو، عورت کی زندگی، اس کی فن کاری اور اس کے جسم کا استعمال عام تھا۔ اس کی سب سے بڑی طاقت اس کا حسن تھا اور وہی عورت خوشی کے ساتھ زندگی گزار سکتی تھی جو اپنی اس طاقت کا سلیقے سے استعمال کرنا جانتی ہو۔ چوں کہ زمانہ اپنے انسانوں کی تخلیق و تربیت خود کرتا ہے، اس لیے عورتوں نے بھی اس حد میں رہتے ہوئے اپنے لیے آسودگی اور خوشحالی کے راستے ڈھونڈ لیے تھے۔ وہ مطمئن تھی، اسے زمانے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن نئے نگر پالک کی سرمستیوں نے عورت کا رہا سہا وقار بھی مجروح کر دیا تھا۔“(۲)

ناول کے مرکزی نسوانی کردار دیوانئی کے ساتھ بھی ایسا ہی ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ دِل مُن کا حاکم کشال، دیوانئی کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ زبردستی جنسی تعلق استوار کرتا ہے۔ بعد ازاں ایک قتل کے جرم میں اسے شہر سے باہر پھنکوا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی دہائیوں بعد ایک سازش کے تحت بھی اسے دوبارہ شہر بدر ہونا پڑتا ہے۔ دیوانئی کے ساتھ ظلم و زیادتی اور ناروا سلوک درحقیقت اس قدیم معاشرت کا مجموعی مزاج تھا، جس کی ترجمانی ناول میں مذکورہ نسوانی کردار کے ذریعے کی گئی ہے۔ راہ چلتی خواتین پر جملے کسنا، انہیں جنسی طور پر ہراساں کرنا اور ان کے سماجی و انسانی حقوق کو سلب کرنا اس معاشرے کا مجموعی چلن تھا:

> ”وہ جس سماج میں رہتا تھا وہاں سُمیریا اور مصر کی طرح عورتوں کو بیچے جانے اور گروی رکھنے کا رواج نہیں تھا لیکن ہر وہ شخص جسے عورتوں سے قرب حاصل کرنے کا جنون ہوتا تھا، مواقع کی تلاش کرتا رہتا تھا۔ کچھ لوگ سازش کر کے خوب صورت عورتوں کے سرپرستوں کو اس عمل پر مجبور بھی کر دیتے تھے۔ مَردوں کے حقوق لامحدود تھے اور ان کے مقابلے عورتوں کے حقوق نہ کے برابر۔“(۳)

دِل مُن کی قدیم عورت اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھی کہ اس سماج میں عورت ہونے کے حیثیت سے ان کا مقدر یہی ہے کہ وہ مَردوں کی جنسی تسکین کا ذریعہ بنیں اور ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر سیکھیں۔ اسی لیے انہوں نے اسے اپنی قسمت سمجھ کر چاروناچار قبول کر لیا تھا۔

قبل مسیح کے سندھ کے تہذیبی آثار میں بھائی بہن کی شادی کا رواج بھی عام تھا۔ یہ بات یاد رہے کہ ازمنہ قدیم کی مختلف تہذیبوں میں بھائی بہن کی شادی کا چلن موجود رہا ہے۔ مصر میں فراعین کے زمانے اور رومن سلطنت میں بھی ایسی شادیوں کا رواج رہا ہے۔ یعقوب یاور کے خیال میں آثارِ قدیمہ کی تحقیق کی روشنی میں بہن بھائی کی شادی کے ٹھوس شواہد نہیں ملتے لیکن ہندوؤں کی مذہبی کتب کی روشنی میں بالواسطہ طور پر ایسی مثالیں مل جاتی ہیں۔ رگ وِید کے دسویں منڈل میں ”یم یمی سنواد“ کے مابین مکالمے میں اس تہذیبی رواج کے آثار نظر آتے ہیں۔ تاہم یہ رواج آریاؤں کی ہندوستان آمد سے قبل کا ہے۔ اس تناظر میں وہ اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ”اگرچہ پُرانوں نے اپنی موجودہ تحریری شکل عہد گپت میں اختیار کی لیکن اس بات کو تقریباً سب قبول کرتے ہیں کہ پُرانوں میں لاتعداد واقعات، عقاید اور روایات آریوں کی آمد سے پہلے کے ہیں۔ ان میں سیلابِ عظیم سے پہلے کے واقعات کا ذکر بھی ہے۔ پُرانوں میں ایسی

شادیوں کا ذکر بھی ہے جو بھائیوں اور بہنوں کے درمیان ہوئیں۔"(۴)

ناول "دِلِ مُن" کی مرکزی نسوانی کردار دیوانئ بھی اپنے اکلوتے بھائی متھو سے شادی کی خواہش کا اظہار بار بار کرتی ہے۔ جب دل مُن کا حاکم کشال، دیوانئ کو دیکھتے ہی اس پر فدا ہو جاتا ہے تو دیوانئ اس پریشانی سے بچنے کے لیے متھو کو شادی کر کے رشتہ بدل لینے پر اصرار کرتی ہے جس پر متھو بھی اس عہد کی تہذیب کے مطابق آمادگی ظاہر کر دیتا ہے تاہم وہ دونوں اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہتے ہیں۔

ناول میں قبل مسیح کی دِلِ مُن یا موہن جو داڑو کی تہذیب میں دیوی دیوتاؤں کے بھرپور عمل دخل کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اس دور کے اکثر کردار توہم پرستی، ضعیف الاعتقادی اور تشکیک کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کردار اندھی مذہبی عقیدت میں بھی مبتلا نظر آتے ہیں اور ہر عمل کو دیوی دیوتاؤں کے کرشموں سے جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس دور میں جادو ٹونے کا رواج بھی عام دکھائی دیتا ہے۔ حیوانات و نباتات کے قویٰ کو دیکھ کر اور کسی انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو جان کر دیوی دیوتا ماننے کی رسم بھی دِلِ مُن میں موجود تھی۔ مہرشی جب دیوانئ کے قریب گلاب کے پھولوں کو بکھرے ہوئے اور ایک سانپ کو کنڈلی مارے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اسے دیوی ماتا تصور کرتا ہے اور تعظیم کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح وادیِ گومل کی ایک بستی میں جب وبائی امراض سے لوگ بیمار پڑے نظر آتے ہیں اور دیوانئ جڑی بوٹیوں کی مدد سے ان کا علاج کرتی ہے تو وہاں کے باشندے بھی اسے دیوی ماتا سمجھنے لگتے ہیں۔ محمد طاہر عزیز خان دِلِ مُن کے اس تہذیبی پہلو پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> "ناول "دِلِ مُن" میں اسی وادیِ سندھ کی تہذیب و معاشرت، حکومتی انتظام و انصرام، رہن سہن، مشکلات زندگی، طبقاتی زیر و بم، توہم پرستی، مذہبی زندگی کی اہمیت اور تعلیم و تربیت کا احاطہ کیا گیا ہے۔ "دِلِ مُن" میں ایک ایسے دور کی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں مافوق فطری عناصر کی بھی کارفرمائی ہے۔ جہاں دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔ جہاں دیوتاؤں کی مرضی کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔"(۵)

دِلِ مُن شہر کے مروجہ قوانین کے مطابق اس شہر میں رہنے والے ہر شخص کے لیے شادی کرنے کے لیے بھی دیوتاؤں کی اجازت لینا ضروری تھی۔ آسمان سے بارش برسنے کو قبل مسیح کی وادیِ سندھ کے باشندے دیوتاؤں کی خوشی سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح خشک سالی اور قحط آنے کو یہاں کے قدیم رہائشی دیوتاؤں کے قہر سے جوڑ کر پیش کرتے تھے۔ یعنی ان کا ماننا تھا کہ کائنات دیوی دیوتاؤں کی منشا کے مطابق چل رہی ہے اور انسان ان دیوی دیوتاؤں کا محتاج ہے۔

ناول "دِلِ مُن" میں یعقوب یاور نے قبل مسیح کی دانش کو بھی موثر انداز میں ابھارا ہے۔ دِلِ مُن شہر کے باہر ایک

مضبوط فصیل قائم کی گئی تھی تاکہ بیرونی حملہ آوروں اور خونخوار درندوں کے حملوں سے مقامی آبادی کو محفوظ رکھا جاسکے۔ یہ اس زمانے کا خوشحال ترین شہر تھا۔ یہاں کے باشندے تجارت کا فن بخوبی جانتے تھے۔ انھوں نے مویشی بھی پال رکھے تھے۔ تاکہ نہ صرف ان کے گوشت سے خوراک حاصل کی جاسکے بل کہ انھیں بیچ کر زرِمبادلہ بھی کمایا جاسکے۔ اس شہر میں قبل مسیح کے زمانے میں ایک بڑا تالاب بھی اکنتی رینّ نامی حاکم کے عہد میں بنایا گیا تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض تالاب تھا، جو ساڑھے بارہ فٹ لمبا، ساڑھے آٹھ فٹ چوڑا اور تین فٹ گہرا تھا۔ اس میں شمال سے جنوب کی طرف پختہ اینٹوں کی مدد سے مضبوط سیڑھیاں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس تالاب میں ایک بڑا چبوترہ تھا جہاں مہادیو کی پوجا کی جاتی تھی۔ ماہرینِ فنِ تعمیر نے اس تالاب کی دیواریں اور فرش بہت مضبوط بنائے تھے۔ اس کی ایک نمایاں خاصیت یہ بھی تھی کہ یہ آئے دن آنے والے سیلاب اور زلزلے کے جھٹکوں کو آسانی سے برداشت کرلیتا تھا۔ فنِ تعمیر، کندہ کاری، نقش نگاری اور فنِ باغبانی سے متعلق دِل مُن کے باسیوں کی دانش کا منہ بولتا ثبوت یہ تالاب تھا۔ اس سے متعلق ناول کا درج ذیل اقتباس اہم ہے:

> ”ان دیواروں میں اینٹوں کی چنائی بڑی مشاقی اور فن کاری سے کی گئی تھی۔ تالاب کی تہہ میں کھڑی اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا تاکہ اس میں سے پانی نہ رس سکے۔ اس کا ڈھال جنوب مشرق کی طرف تھا کہ بڑی نالی اسی جانب سڑک کے نیچے تھی۔۔۔ اس تالاب کی تعمیر کا مقصد پہلے تو نگر پالک کے کوٹ میں رہنے والوں کے لیے تفریح کا سامان فراہم کرنا تھا۔ اسی لیے اس کے چاروں طرف ایک باغیچہ بنایا گیا تھا جہاں کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے لا کر پھولوں اور پھلوں کے پودے لگائے گئے تھے۔“(۶)

دِل مُن میں ادویہ سازی، طبی تحقیق اور جدید طریقہ علاج سے بھی لوگ شناسا تھے۔ یہ لوگ جڑی بوٹیوں کے طبی فوائد اور انسانی جسم پر ان کے نفع بخش اثرات سے متعلق آگاہی رکھتے تھے۔ وہ اس تاثر کو بھی کم کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ انسانی تکالیف اور بیماریاں دیوی دیوتاؤں کے قہر اور ناراضی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مہرشی کرپا ایک ایسے ہی طبیب تھے، جنھوں نے ایک ایسا ادارہ بنالیا تھا جہاں وہ اپنے شاگردوں مسرا اور پاریا کے ساتھ مل کر دواؤں پر تحقیق کرتے تھے۔ وہ لوگوں سے معاشی فوائد کے حصول کے بدلے ان کا علاج جدید طریقے سے کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ ان کے آشرم کے اردگرد ایک وسیع و عریض جنگل تھا جہاں سے وہ جڑی بوٹیوں اور درختوں پر تحقیق کرکے ان سے ادویات بنانے کے ہنر سے کماحقہ طور سے واقف تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ اس زمانے میں مریضوں کی اکثریت جادوٹونے کے ذریعے ہی سے اپنی بیماریوں کا علاج کراتی تھی۔ تاہم آہستہ آہستہ مہرشی کرپا کی محنت اور جدید طریقہ علاج کی وجہ سے لوگ ان سے علاج کرانے لگے۔ جدید طبی تحقیق اور طریقہ علاج کی وجہ سے

لوگ ان سے علاج کرانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ جدید طبی تحقیق اور طریقہ علاج دِل مُن کے باشندوں کی دانش کا بیّن عکاس ہے:

> ”مہرشی کرپا کا آشرم دِل مُن سے کچھ فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹی پہاڑی پر تھا۔ ایک معالج کی حیثیت سے وہ دور دور تک مشہور تھے۔ یہاں وہ اپنے دو شاگردوں مَسر اور پاریا کے ساتھ رہتے تھے۔ دواؤں پر تحقیق ان کا مشغلہ تھا اور لوگوں کا علاج ذریعہ معاش۔۔۔ جس پہاڑی پر آشرم واقع تھا، اس کے نیچے انہوں نے لکڑی کی ایک خوبصورت کٹی بنا رکھی تھی جہاں وہ شہر سے آنے والے مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے۔“(۷)

وادیِ سندھ کے قدیم باشندے بیل گاڑی کے ذریعے سفر کیا کرتے تھے اور بیل گاڑیوں کی تجارت بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے بدلے یہ سونے کے سکے دیا کرتے تھے۔ یہاں کے باشندے زراعت کے فن سے بھی واقف تھے اور اناج کی بیشتر ضروریات پوری کرنے میں خود کفیل تھے۔ پہلے پہل یہ زراعت کے لیے بارش آنے کے منتظر رہتے تھے تاہم بعد انھوں نے دریاؤں سے نہریں نکالنے کا ہنر بھی سیکھ لیا تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے عوام کی مسرت اور تفریح کے لیے خوبصورت باغات بھی اگا رکھے تھے جہاں لوگ سیر و تفریح کی غرض سے جایا کرتے تھے۔

یعقوب یاور کے ناول بعنوان ”دِل مُن“ کا نواں باب ”ہریوپیا“ قبل مسیح کے شہر ہڑپہ یا ہری یوپیا کی دانش اور تہذیبی آثار کے تناظر میں لائقِ مطالعہ ہے۔ ہڑپہ دریائے راوی کنارے آباد ایک تہذیب یافتہ شہر تھا جہاں اس وقت کے بڑے بڑے عالم اور دانش ور مختلف درس گاہوں میں گیان بانٹتے تھے۔ یہاں ایسے بھی ادارے تھے جن میں طلبا و طالبات کو سات سال کے عرصے پر محیط تعلیم دے کر ڈگری دی جاتی تھی۔ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ انھیں کشتی، جنگی فنون، گھڑ سواری اور تیراکی بھی سکھائی جاتی تھی۔ یہاں کائنات کے آغاز و ارتقا، فلسفہ، نفسیات، منطق اور سائنسی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ یہ تعلیمی ادارے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو دانش مند بنانے کے لیے کام کرتے تھے:

> ”گروکل کے قاعدے قانون بڑے سخت تھے اور کسی قاعدے کی خلاف ورزی پر سزائیں دی جاتی تھیں۔ یہاں کئی سو نوجوان اور بچے زیر تعلیم تھے۔ ان میں باہمی مفاہمت، محبت اور خلوص کا ماحول تھا۔۔۔ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام گروکل میں بالکل الگ تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف گروجن دونوں طرف آجا سکتے تھے۔“(۸)

ہڑپہ سے متعلق ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ شہر دیوتاؤں کا مسکن ہے۔ اسی لیے اسے قبل مسیح کے زمانے میں غیر معمولی حیثیت حاصل تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ دیوتا آسمان پر رہتے رہتے جب اکتا گئے تو انھوں نے زمین پر رہائش پذیر ہونے کا فیصلہ کیا اور ہری یوپیا کا سنگِ بنیاد رکھا۔ ترقی کرتے کرتے یہ شہر کئی حوالوں سے مرکزی اہمیت حاصل کر گیا۔ اس شہر کو تجارت کے اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ جہاں دور دراز کے تاجر آکر اپنی مصنوعات بیچا کرتے تھے اور کئی دوسرے شہروں کے تجار اپنی ضرورت کی اشیا خریدنے کے لیے اس شہر کا رخ کرتے تھے۔ سونے کے بنے ہوئے زیورات بیچنے والے وسطی ہند سے، چاندی کے زیورات کے تاجر مغرب سے، قیمتی پتھر اور تانبا فروخت کرنے والے مغربی ہند سے یہاں آتے تھے۔ یہاں پر سمندر پر چلنے والی بادبانی کشتیاں بنانے کا ایک بڑا کارخانہ تھا۔ سونے، چاندی اور تانبے کی اشیا بنانے والے کاریگر یہاں اپنی ہنر مندی اور مہارت کا کمال دکھاتے تھے۔ تانبے کی مورتیاں، ہاتھی دانت اور سیپ کی بنی آرائشی چیزیں، سوتی کپڑے، خوب صورت کشیدہ کاری اور آلات جنگ بنانے کا کام یہاں جگہ جگہ پھیلا ہوا تھا اور یہ لوگ اپنی اشیا کو بیچنے کے لیے دریائے دجلہ و فرات کے درمیانی دور دراز خطوں اور وادیِ نیل تک کا سفر آسانی کے ساتھ طے کر لیتے تھے۔ سمیریا، اسیریا اور مصر سے ان کے گہرے تجارتی روابط قائم تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہڑپہ شہر امن و سلامتی اور خوش حالی کا گہوارہ تھا۔ یہ شہر ترتیب و تنظیم اور بلدیاتی سہولیات کے اعتبار سے بھی اہم شہر سمجھا جاتا تھا۔ اس سے متعلق یعقوب یاور مزید جانکاری دیتے ہوئے بتاتے ہیں:

> ”شہر کی دل کشی میں یہاں کی سڑکیں اور مکانات اور شہر کی ترتیب چار چاند لگاتی تھی۔ لوگوں کو رہائش کی فراہمی کی ذمہ داری یہاں کے نگر پالک کی تھی جو ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور سماجی مرتبے کے لحاظ سے مکان فراہم کرتا تھا۔ عموماً لوگوں کو اپنے طور پر مکان بنانے کی اجازت نہ تھی اور اگر کسی شخص کو خود مکان بنانا ہی ہو تو اسے نگر پالک سے جگہ اور نقشے کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ یہ نظم اس لئے تھی کہ شہر کا حسن برقرار رہے۔ یہاں سڑکیں کچی لیکن کافی چوڑی تھیں۔ سڑکوں کے کنارے چبوترے بنے تھے، جن پر بیٹھ کر تاجر اپنا سامان فروخت کرتے تھے۔“(۹)

ناول نگار نے اس شہر کے محلِ وقوع سے متعلق آگاہ کیا ہے کہ یہ شہر دو بڑے ٹیلوں پر آباد تھا۔ مغرب کی طرف چھوٹا لیکن بلند ٹیلا تھا جس پر حاکم اور اس کے مصاحبین رہائش پزیر تھے۔ مشرقی ٹیلے پر اور اس کے آس پاس دوسرے لوگوں کے مکانات تھے۔ سڑکیں بالکل سیدھی تھیں اور ایک دوسرے کو کاٹتی تھیں۔ ایسے چوراہوں پر اشیائے خوردونوش کی فراہمی کے لیے دکانیں تھیں۔ جہاں دیگر علاقوں سے آنے والے تاجر کھانا کھایا کرتے تھے۔ شہر کے مغرب میں ہڑپائی باشندوں نے دریائے

راوی پر ایک مضبوط اور بڑا بند باندھ رکھا تھا جو درحقیقت شہر کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ شہریوں کی امن پسندی اور دور دور تک پھیلی بستیوں کی وجہ سے شہر کو فصیل یا محافظوں کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اردگرد جنگلی جانور تھے اور نہ ہی شہر دشمن عناصر کا وجود تھا۔ ان کی سڑکیں اور گلیاں صاف ستھری تھیں۔ حاکم شہر کی جانب سے ان کی روزانہ صفائی کا معقول بندوبست تھا۔ جس کے لیے خاص طور پر مہتر اور مہترانیاں رکھی ہوئی تھیں۔ برسات کے پانی کی نکاسی کا معقول انتظام تھا اور گھروں کے استعمال شدہ پانی کو شہر کے باہر دریائے راوی تک لے جانے کے لیے چھوٹی بڑی پختہ نالیاں تھیں جو سڑکوں اور گلیوں کے دونوں طرف ہوتی تھیں۔ یہ اوپر سے ڈھکی ہوتی تھیں۔ اس خصوصی انتظام پر آنے والے اخراجات کی کفالت کے لیے تاجروں کو ان کے منافعے کی ایک مخصوص رقم اور زراعت پیشہ لوگوں کو اپنی فصلوں کا ایک حصہ شہر کے حاکم کو دینا پڑتا تھا۔ اس زمانے میں سرکاری ملازموں اور کرتا دھرتاؤں کی بدانتظامی اور بدعنوانی پر ان کا احتساب کرنے اور جرم ثابت ہونے پر انھیں سزا دینے کا رواج بھی موجود تھا۔ یہ خشک سالی اور قحط سالی سے بچاؤ کے لیے اناج اور غلے کے بڑے بڑے ذخیرے بنا کر رکھتے تھے۔ اس تناظر میں ناول "دِل مُن" کا درج ذیل اقتباس خصوصی توجہ کا استحقاق رکھتا ہے:

> "خشک سالی، قحط اور قدرتی آفات کا مقابلہ کرنے کے لیے نگرپالک کی طرف سے بڑے بڑے بھنڈار بنائے گئے تھے جہاں گیہوں، چاول، جو اور تل کا وافر ذخیرہ رکھا جاتا تھا اور جب ناگرکوں کو اشیائے خورد و نوش کی قلت ہوتی، نگرپالک کی جانب سے ان کو ہر ممکن مدد جاتی۔ ایسے واقعات میں ان سے ان اشیا کی کوئی قیمت نہیں لی جاتی تھی۔" (۱۰)

ناول میں یعقوب یاور نے بتایا ہے کہ قبل مسیح کے زمانے میں ہری یوپیا یا ہڑپہ علم و دانش اور تدریس کا اہم گڑھ تھا، جہاں علم و دانش کے متلاشی دور دور سے گیان لینے آتے تھے۔ یہاں کی درس گاہوں کے اخراجات کی تمام تر ذمہ داری حاکم شہر پر تھی لیکن یہ تعلیمی ادارے اپنے آپ میں خود مختار تھے۔ شہر کا حاکم ان دانش گاہوں کے منتظمین کی ایما پر ان میں دخل اندازی کیا کرتا تھا۔ اس قدیم دور میں بھی ہری یوپیا کے حاکمین سفارتی تعلقات قائم کرنے اور ان کی افادیت سے کماحقہ طور پر واقف تھے۔ ناول میں ان تمام شہروں اور علاقوں کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے، جن سے ہری یوپیا کے عمدہ سفارتی تعلقات قائم تھے۔ ان میں دِل مُن، لوتھل، انجیرا، چنہو دڑو، کملا، تھی بیز، نے خیب، لارسا، سپر، کوتھا، اُر اور ای مین شامل ہیں۔ ان شہروں اور علاقوں کے سفیر مستقل طور پر ہری یوپیا میں رہتے تھے اور ہری یوپیا کے سفیر ان شہروں اور علاقوں میں تعینات تھے۔ یہ سفیر باہمی تجارت کے فروغ اور سیاسی استحکام کو بہتر بنانے کے لیے کام کرتے تھے۔ ہڑپہ یا ہری یوپیا میں مختلف تہذیبوں، مذاہب اور نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ تاہم اس تہذیب میں مذہبی ہم آہنگی، بردباری اور رواداری موجود تھی جس کا اظہار ناول کے درج ذیل اقتباس میں ان

الفاظ میں کیا گیا ہے:

"تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں کسی ایک نسل کے لوگ نہیں تھے۔ کرّہ ارض کی مختلف تہذیبوں اور عقیدوں کے ماننے والے یہاں رہتے تھے۔ ان میں باہمی تبادلۂ خیال بھی ہوتا تھا اور مباحث بھی۔ ہر شخص کو مذہبی رسوم کی ادائیگی کی مکمل آزادی تھی۔ بس یہ خیال رکھنا ضروری تھا کہ کسی فرقے کا کوئی عمل کسی دوسرے کے لئے اذیت ناک نہ ہو۔ اول تو ان میں جھگڑا نہیں ہوتا تھا لیکن اگر ایسا ہوتا بھی تو نگرپالک کی مذہبی عدالت کے منصف اس کا فیصلہ کرتے تھے جو فریقین کو لازمی طور پر ماننا ہوتا تھا۔ یہ فیصلہ شہر کے عقائد کی بنیاد پر ہوتا تھا اور اس کے خلاف کوئی فریاد نہیں کی جاسکتی تھی۔ تعلیم و تربیت کے جو ادارے یہاں پر قائم تھے، ان میں رنگارنگی کو دیکھا جاسکتا تھا۔"(۱۱)

قدیم وادیِ سندھ کے باشندے رقص اور موسیقی سے بھی کماحقہ طور پر واقف تھے۔ اس زمانے کے راجاؤں اور بادشاہوں نے رقص اور موسیقی کے لیے باقاعدہ طور پر رقاصائیں اور گلوکار رکھے ہوتے ہیں جن کو دیوداس اور دیوداسی کا نام دیا گیا ہے۔ عام طور پر یہ رقاص اور رقاصائیں بڑے دیوتا "مہادیوایتن" کے روبرو عریاں ہو کر ناچتے تھے اور بڑے دیوتا سے دنیا میں سلسلہ ہائے تخلیق کو آگے بڑھانے کی پراتنا کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فن کار دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے مختلف تقاریب میں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ دیوتاؤں کی منشا جاننے کے لیے بڑے دیوتا "مہادیواتین" کے بڑے پجاری سے خصوصی درخواست کی جاتی ہے جو ایک خاص عمل کے ذریعے سے دیوتاؤں سے ہم کلام ہو کر ان کی مرضی معلوم کرلیتے تھے۔ رقص اور موسیقی قبل مسیح میں بھی سندھی تہذیب کے نمایاں اجزا تھے:

"رقص شروع ہوا۔ اب چاندنی کی قوت برائے نام رہ گئی تھی اور منچ پر جو کچھ نظر آرہا تھا، وہ چاند سے زیادہ تاروں کی روشنی کے سبب تھا۔ موسیقاروں نے اپنے اپنے ساز سنبھال لیے تھے۔ تارواد کے تار جھنجھنائے۔ بانسری کی مدھر تان اٹھی اور مردنگ کی تھاپ کے ساتھ ہی منچ پر دو ہیولے نظر آئے۔۔۔ سلسلۂ تخلیق کا مکمل رقص پانچ حصوں پر مشتمل تھا۔"(۱۲)

ناول کے دسویں باب بعنوان "اجنبی شہر" میں ناول نگار نے قبل مسیح کی قدیم ترین تہذیب میسوپوٹیمیا کی دانش اور تہذیبی آثار کا نقشہ کھینچا ہے۔ ناول نگار کا دعویٰ ہے کہ دریائے دجلہ و فرات کے درمیانی خطے میں جو لوگ آباد تھے اور جنہیں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں اولیت کا درجہ حاصل ہے، درحقیقت یہاں کے باشندے دوسرے علاقوں سے نقل مکانی کر کے اس جگہ آباد ہوئے تھے۔ اس خطے کے دو حصے تھے۔ شمالی خطہ جو زیادہ وسیع و عریض تھا، اکّد کہلاتا تھا۔ یہاں جو نسل آباد تھی، ان کا

دعویٰ تھا کہ ان کے باپ دادا مصر اور ریگزار عرب سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ سامی النسل تھے۔ ان کی جسمانی ساخت مضبوط اور رنگ صاف تھا۔ یہ لوگ اپنی قدامت ثابت کرنے کے لیے اکثر کہا کرتے تھے کہ طوفانِ نوح کے بھیانک مناظر ان کے اجداد نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ دوسری طرف جنوبی حصے میں جو لوگ آباد تھے، وہ دراوڑی تھے۔ یہ علاقہ سمیریا کہلاتا تھا۔ ان کی شکل، شباہت مختلف، رنگ سیاہی مائل اور مزاج و عقائد مشرقی تھے۔ ناول نگار کے مطابق ان کے آباؤ اجداد سندھ کی وادیوں سے نقل مکانی کر کے یہاں منتقل ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے اکادی اور سمیری باشندوں میں ہمیشہ پیکار جاری رہتا تھا۔ ان کے اتحاد کی تمام کاوشیں ناکام ہو گئیں۔ یہاں مذہب کو تمام سرگرمیوں میں برتری حاصل ہوتی تھی۔ ان کا بادشاہ پروہت یا اس عہد کا مذہبی رہنما ہوا کرتا تھا جس کو "پتیسی" کہا جاتا تھا۔ یہ خود مختار بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ اس علاقے کی زمین زرخیز نہیں تھی لیکن اس کے باوجود یہ لوگ زراعت پیشہ تھے۔ یہ زمین کی سینچائی کے مصنوعی طریقوں سے واقف تھے۔ یہاں کے نظام کے تحت کسانوں کو اپنی پیداوار کا دسواں حصہ بادشاہ کو دینا پڑتا تھا۔ لوگ اپنی زمینوں سے ضرورت کے مطابق گیہوں، تِل، جو، پٹ سَن اور پھل اگاتے تھے۔

اس قدیم خطے کی زمینوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پہلا حصہ نگیبھا تھا جس میں اجتماعی زراعت ہوا کرتی تھی۔ دوسرا حصہ کُر کہلاتا تھا جو عبادت گاہوں سے متعلق لوگوں کی ملکیت تھی اور تیسرا حصہ اُرُلَل کہلاتا تھا جو لگان پر اٹھا دیا جاتا تھا۔ ہر شخص عبادت گاہ کا رکن ہوتا تھا، اس لیے کر اور نگیبھا میں محنت کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اس خطے میں رہنے والوں کے بھی کئی طبقات تھے۔ ان میں عمیل، مشکیں اور ورد شامل ہیں، جن پر ناول میں بھرپور بحث کی گئی ہے۔

عبادت گاہوں میں مہاپروہت "پتیسی" کے علاوہ دیگر صاحب اختیار عملہ عورتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ عبادت گاہوں میں زیادہ عمل دخل عورتوں کا ہوتا تھا۔ سمیریا کے رہنے والے سورج دیوتا شمس، پانی کی دیوی نمو، زمین کی دیوی کی، آکاش دیوتا اَن، ہوا کے دیوتا این لِل، محبت کی دیوی ای نتا، اصولوں کے دیوتا ایا اور چندر دیوتا سِن سے عقیدت رکھتے تھے۔ یہ جنگ و جدل اور اسلحہ سازی کے فن سے بھی واقف تھے اور تجارت بھی بڑے پیمانے پر کرتے تھے۔

ناول "دِل مُن" میں انھوں نے قبل مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار کے رنگا رنگ پہلوؤں کو آشکار کیا ہے۔ دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے کنارے آباد بستیوں میں پھیلی قدیم عہد کی دانش اور مختلف تہذیبی نقوش اس ناول میں جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ مشرف عالم ذوقی کے خیال میں:

> """دِل مُن" یعقوب یاور کا تمدنِ سندھ کے پس منظر میں لکھا گیا ایک بڑا ناول ہے۔۔۔
> ہزاروں برسوں کی تہذیب کے دروازے ہماری نظروں کے سامنے کھل جاتے ہیں۔۔۔

تین ہزار قبل مسیح تمدن سندھ کا زمانہ دیوانئی کی کہانی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو آج کی لہو لہو دنیا کے افسانے ہمیں شرمسار کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں بدلا؟ ہزاروں برس بعد بھی وہی تہذیب، وہی استحصال، وہی جنوں، وہی ہجومی تشدد، وہی دریائے سندھ، وہی سرخ موجیں۔ دنیائے ادب میں ایسے ادبی ناولوں کی مثال کم ہے جن کے موضوعات تواریخ کے خستہ اور بوسیدہ صفحوں سے اٹھائے گئے۔ ایسے شہ پاروں کی ادبی قدر و قیمت اپنی جگہ ہے۔ تاریخ کو ادب پارہ بنا دینا آسان نہیں۔"(۱۳)

یعقوب یاور کے ناول "دِل مُن" کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے قبل مسیح کے سندھ کی اجتماعی دانش اور تہذیبی آثار کی مرقع کشی کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر تہذیبوں اور خطوں کی قبل مسیح کی دانش اور تہذیبی آثار کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ قبل مسیح میں بھی وادیِ سندھ دنیا سے کٹا ہوا اور الگ تھلگ خطہ نہیں تھا بل کہ یہ ازمنہ قدیم میں بھی دنیا کی دیگر تہذیبوں سے جڑا ہوا تھا۔ کہانی کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ سماجی عدم مساوات، عورتوں سے ناروا سلوک اور ناانصافی ایسے عناصر ہیں جن کی وجہ سے دیوتا ان لوگوں سے ناراض ہو گئے اور شدید طوفانی بارشوں اور دریائے سندھ میں اونچے درجے کے سیلاب کی وجہ سے یہ خطہ زوال پذیر ہو کر ماضی کے اوراق میں گم ہو گیا۔ انھوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ دِل مُن، ہری یوپیا، سمیریا اور اکّد جیسے قبل مسیح کے خطوں کی دانش اور تہذیبی آثار کی نشاندہی کی ہے۔ قبل مسیح کی دانش، سماجی زندگی، تاریخ اور تہذیب کے حوالے سے مذکورہ ناول لائقِ مطالعہ ہے۔

حوالہ جات

۱. یعقوب یاور، (پیش لفظ) دِل مُن، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، اشاعت دوم، ۲۰۱۴ء، ص:۹

۲. ایضاً، ص:۲۱

۳. ایضاً، ص:۳۰

۴. یعقوب یاور، (پیش لفظ) دِل مُن، ایضاً، ص:۱۰

۵. محمد طاہر عزیز خان، ناول "دِل مُن" کا تجزیاتی مطالعہ (مضمون)، مشمولہ: ترجیحات، آن لائن جریدہ، شمارہ ۱۱، فروری، ۲۰۲۲ء، ص:۲۲۴

۶. یعقوب یاور، دِل مُن، ایضاً، ص:۲۰-۱۹

۷. ایضاً، ص:۲۴-۲۳

۸. ایضاً، ص:۱۰۸

۹. ایضاً، ص:۱۱۰

۱۰. ایضاً، ص:۱۱۱

۱۱. ایضاً، ص:۱۱۲۔۱۱۱

۱۲. ایضاً، ص:۷۶

۱۳. مشرف عالم ذوقی، یعقوب یاور: ناول سے ترجمہ تک کا سفر (مضمون)، مشمولہ: مضامین ڈاٹ کام، آن لائن تجزیہ، اشاعت: ۷ جنوری، ۲۰۱۹ء